محمد احمد دانش روانوی

ڈاکٹر اکرم شروانی کے افسانے

معاصر عہد کی منھ بولتی تصاویر

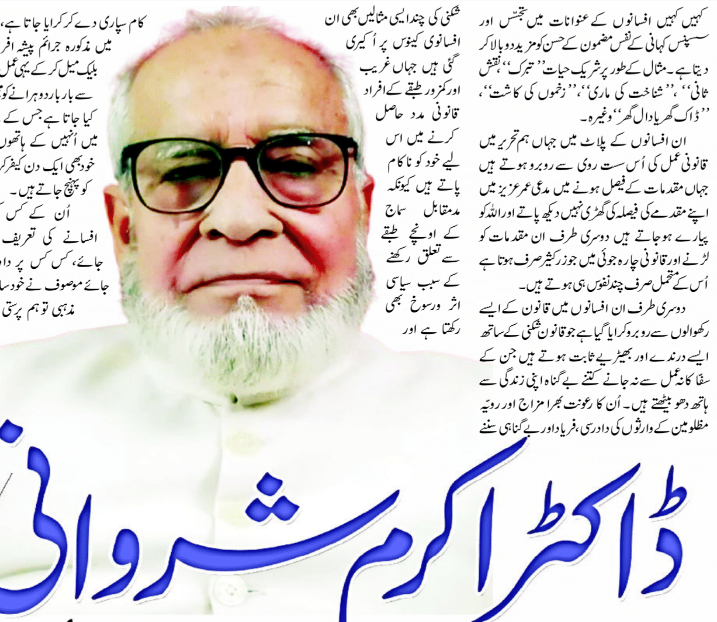

ڈاکٹر اکرم شروانی کی شناخت نہ صرف ایک اُستاد اور شاعر تک محدود ہے بلکہ وہ ایک کامیاب افسانہ نگار بھی ہیں۔ اُن کے افسانے ملک و بیرونِ ملک کے ادبی رسائل وجرائد میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوکر قارئین سے قبولیت عام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ ان افسانوں کو موصوف نے یکجا کر کے اپنے افسانوی مجموعے ''پرواز'' میں زینت بخشی ہے۔ موصوف کے چند افسانوں کا اسلوب سنجیدہ ہونے کے ساتھ بیشتر افسانوں میں طنز ومزاح کا اسلوب اپنایا گیا ہے۔

مزاح میں موصوف جہاں قارئین کو گدگداتے ہیں وہیں طنز کے ذریعہ سماج و معاشرے میں جڑ پکڑ چکے فاسد وغلیظ مادّے کو طنزیہ نشتر سے کاٹ چھانٹ کر سماج نما جسم کی صاف وشفاف تجسیم کرنے کا رول بھی بخوبی نبھاتے نظر آتے ہیں۔ اُن کا طنز ملیح سماج میں پنپ رہے ناسور کی بروقت جراحی کر کے اُسے صحت مند بنانے میں ممدو ومعاون بننے کا عمل بخوبی انجام دیتا ہے۔ اُن کے افسانے سماج کے اتنا قریب ہیں کہ اُن میں قاری کو اپنا عہد بازگشت کرتا سنائی دیتا ہے۔

ان کے افسانوں میں عصری، آگہی، سماجی مسائل اور استحصال زدگی کا کرب صاف نظر آتا ہے۔ وہ اپنے افسانوں میں کسی مخصوص ادبی رویے و رجحان اور عزم کے پابند نہ ہوکر کھلی آنکھوں سے جو کچھ دیکھتے ہیں تجربوں ومشاہدوں کی روشنی میں جو کچھ محسوس کرتے ہیں اُسی کا برملا اظہار کردیتے ہیں۔

اُن کے افسانوں میں زن وشوہر کی میٹھی چشمک اور نوک جھونک شگفتہ بیانی اور روانی کے ساتھ پڑھنے کو ملتی اور گدگداتی ہے تو وہیں دوسری طرف معاشرے المناک پہلوؤں سے بھی قاری روبرو ہوکر اشک سوئی پر مجبور ہوجاتا ہے۔

موصوف کے افسانے طوالت کے باوجود اُن میں بوجھل پن بالکل نہیں ہوتا۔ تشبیہ واستعارہ اور علائم کے ابہام سے قطع نظر سہل اور سلیس انداز میں اُن کی تحریریں راست بیانی کے باوصف ترسیل وابلاغ کا مؤثر اپروچ رکھتی ہیں جو قاری کے ذہن وفکر پر سیدھے دستک دیتی ہیں۔ ان کہانیوں میں شگفتہ بیانی کے سبب قاری پڑھتا چلا جاتا ہے اور کہانی کو ختم کر کے ہی دم لیتا ہے۔

ان کے افسانوں کے موضوعات وعنوانات عوام اور عوامی مسائل کے بہت قریب اور مطابقت رکھتے ہیں۔ کہیں کہیں افسانوں کے عنوانات میں تجسّس اور سسپنس کہانی کے نفس مضمون کے حسن کو مزید دوبالا کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر شریک حیات ''تبرک''، نقش ثانی''، ''شناخت کی ماری''، ''زخموں کی کاشت''، ''ڈاک گھر یا دال گھر'' وغیرہ۔

ان افسانوں کے پلاٹ میں جہاں ہم تحریر میں قانونی عمل کی اُس سست روی سے روبرو ہوتے ہیں جہاں مقدمات کے فیصل ہونے میں مدعی عمر عزیز میں اپنے مقدمے کی فیصلہ کی گھڑی نہیں دیکھ پاتے اور اللہ کو پیارے ہوجاتے ہیں دوسری طرف ان مقدمات کو لڑنے اور قانونی چارہ جوئی میں جو زر کثیر صرف ہوتا ہے اُس کے متحمل صرف چند نفوس ہی ہوتے ہیں۔

دوسری طرف ان افسانوں میں قانون کے ایسے رکھوالوں سے روبرو کرایا گیا ہے جو قانون شکنی کے ساتھ ایسے درندے اور بھیڑیے ثابت ہوتے ہیں جن کے سفّاکانہ عمل سے نہ جانے کتنے بے گناہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اُن کا رعونت بھرا مزاج اور رویّہ مظلومین کے وارثوں کی دادرسی، فریاد اور بے گناہی سننے کے لیے قطعاً تیار نہیں ہوتا بلکہ ملزمین کو راحت دینے کے بدلے مطلوبہ زرِ کثیر کی فراہمی میں تاخیر ہونے یا عدم فراہمی کے سبب نہ جانے کتنوں کی زندگیوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے، نتیجتاً باپ جواں سال بیٹوں کی لاش اور ارتھیاں اپنے نحیف ونزار اور ناتواں کاندھوں پر اُٹھانے کو مجبور ہوجاتا ہے۔

قانون کے رکھوالوں کی قانون شکنی کی چند ایسی مثالیں بھی ان افسانوی کینوس پر اُکیری گئی ہیں جہاں غریب اور کمزور طبقے کے افراد قانونی مدد حاصل کرنے میں اس لیے خود کو ناکام پاتے ہیں کیونکہ مدمقابل سماج کے اونچے طبقے سے تعلق رکھنے کے سبب سیاسی اثر ورسوخ بھی رکھتا ہے اور نتیجے میں مجبور ولاچار شخص کے لیے قانونی چارہ جوئی کی گنجائش نہیں رہتی۔ ان افسانوں میں ہمیں ایسے سفید پوش کردار بھی ملتے ہیں جو اپنے حریفوں کو جرائم پیشہ افراد کے ذریعہ ہمیشہ کے لیے اپنے راستے سے ہٹادیتے ہیں۔ ابتدا میں یہ کام سپاری دے کر کرایا جاتا ہے، بعد میں مذکورہ جرائم پیشہ افراد کو بلیک میل کر کے یہی عمل اُن سے بار بار دوہرانے کو مجبور کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں اُنہیں کے ہاتھوں یہ خود بھی ایک دن کیفرکردار کو پہنچ جاتے ہیں۔

اُن کے کس کس افسانے کی تعریف کی جائے، کس کس پر داد دی جائے موصوف نے خود ساختہ مذہبی توہم پرستی اور بدعقیدگی پر بھی بڑی فنّی چابک دستی سے چوٹ کی ہے اور یہ دکھانے میں کامیاب رہے ہیں کہ کس طرح بچیوں کی تربیت سے غفلت کے سبب جو مسائل سامنے آتے ہیں اُس پر والدین خصوصاً مائیں محض توہم پرستی اور بدعقیدگی کے طفیل تعویذ گنڈوں سے ان مسائل کے تدارک کے لیے تدبیر اختیار کرتی ہیں اور یہی عمل مدّمقابل (بیٹیاں) بھی دوہراتی ہیں، مسائل حل ہونے کے بجائے دونوں فریق عیّار ومکّار تعویذ گنڈے کرنے والوں کی ہوس کا شکار ہوجاتے ہیں۔ جس کا مشاہدہ افسانہ ''قسمت کا لکھا ''میں کیا جاسکتا ہے۔

کہانی ''شناخت کی ماری'' میں دومختلف زبانوں ''اردو'' اور ''عربی'' کے یکساں حروف تہجی کی ادائیگی قرأت کے اُن متضاد لہجوں واسالیب کی بڑی خوبصورت نشاندہی کی گئی ہے جس کے سبب ہر دومختلف زبانوں کے اساتذہ اپنی جھوٹی انا کے زعم میں خود کے شاگردوں کے ساتھ ناروا سلوک رکھنے کے سبب شاگرد اس درجہ بددل ہوجاتے ہیں کہ پڑھنے سے ہی راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں اور زبانوں کا کوئی بھلا نہیں ہوتا۔

موصوف کے افسانوں میں سماج کے ہر طبقہ کے نمائندہ کردار مل جاتے ہیں جن میں سے چند اپنی سادہ لوحی کے سبب عیّار وچالاک لوگوں کے ہتھے چڑھ کر گوں ناگوں مشکلات اور پریشانیوں سے دوچار ہوجاتے ہیں تو چند کو غربت اور مجبوری کے سبب نانِ نوش بھی میسر نہیں ہوتی اور وہ سپردگی عصمت اور زندگی گنوادینے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ افسانہ ''خطوط نویس'' جو قارئین کو خطوط نویسی کے نت نئے اسالیب سے روشناس کراتا ہے وہیں اپنے اندر ایسے ناصحانہ پہلو بھی رکھتا ہے جو قارئین کی کردار سازی میں بڑا معاون ہے۔ افسانہ ''ڈاک گھر یا دال گھر'' میں راشننگ کے شعبہ میں ایسے ماہر وپختہ تجربہ کاروں سے ہمارا سامنا ہوتا ہے جہاں اشیائے ضروریہ کے بدلے صارفین کو غیر ضروری اشیاء کی خرید پر مجبور ہوکر اپنے بجٹ کو غیر متوازن صورت سے دوچار ہوتے دیکھنا پڑتا ہے اور نتیجے میں زن وشوہر کے یومیہ رشتوں اور رویّوں میں کڑواہٹ اور تلخیاں لبھاؤ میں آجاتی ہے جس سے چھٹکارا پانے کے لیے بے چارے شوہر کو ہی راہِ فرار اختیار کرنی پڑتی ہے۔ الغرض موصوف کے افسانے ہمیں زندگی کے تلخ وشیریں تجربات ومشاہدات سے روبرو کرانے میں کامیاب نظر آتے ہیں جن کے واقعات وپلاٹ میں واقعات کے درونِ بیان زندگی کی مختلف جھلکیاں دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ اکرم شروانی صاحب نے اپنے افسانوں کے ذریعہ خود کی ایک منفرد شناخت قائم کی ہے۔ ■

> ڈاکٹر اکرم شروانی کے افسانے ہمیں زندگی کے تلخ و شیریں تجربات و مشاہدات سے روبرو کرانے میں کامیاب نظر آتے ہیں جن کے واقعات و پلاٹ میں واقعات کے درونِ بیان زندگی کی مختلف جھلکیاں دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں کے ذریعہ خود کی ایک منفرد شناخت قائم کی ہے۔

کاشانۂ گلزار، نزد تاج پلیس، تاج کالونی
پوسٹ راجہ کا تاجپور، ضلع بجنور، یوپی 246735
موبائل 9759418047

نعت

یہ ساری رونقیں ہیں بس حبیبؐ ربّ اکبر سے
درخشاں دونوں عالم ہیں انھیں کے روئے انور سے
کہاں پھولوں میں وہ نکہت جو زلف مصطفیؐ میں ہے
زمیں تا عرش ہے مہکا ہوا زلف معنبر سے
دل و جاں کو سکوں اور نور آنکھوں کو بھی ملتا ہے
غلاف نور عرفاں گنبد خضریٰ کے منظر سے
ابد تک جا نہیں سکتی ہے ان آنکھوں کی تابانی
مشرف جو ہوئی ہیں دید انوار پیمبرؐ سے
صلوٰۃ وصوم میں غفلت، زکوٰۃ و حج میں کوتاہی
ملاؤ گے نظر کیسے شفیعؐ روزِ محشر سے
نبیؐ کی بزم میں خوشبو ہی خوشبو مہکی ہے جیسے
درود مصطفیؐ صل علیٰ کے پھول ہیں برسے
بلالؓ و زیدؓ کیا فاروقؓ و عثمانؓ و علیؓ کو بھی
ملی ہے تربیت تو حضرت صدیق اکبرؓ سے
گواہی آج بھی تاریخ کے اوراق دیتے ہیں
ہوا ہے فیضیاب اسلام ذوالنورینؓ کے در سے
علیؓ و فاطمہؓ حسنینؓ جن کے دل میں بستے ہیں
کبھی ڈر وہ نہیں سکتے کسی بھی زور آور سے
شب ہجرت نبیؐ کے ساتھ جب صدیق اکبرؓ ہیں
اسی شب مرتضیٰؓ وابستہ ہیں آقاؐ کے بستر سے
تو ربّ العالمیں ہے نورؔ کی یہ التجا سن لے
مجھے اپنی اماں میں لے، بچا شیطان کی شر سے

نور احمد نورؔ لکھنوی
سنی سنٹرل وقف بورڈ (لکھنؤ)
موبائل نمبر: 9305823646

افسانہ: مجرم

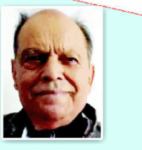

راجیندر رپٹواری ناشاد

راجناتھ بالکل بھی یہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ جو شخص تمام عمر ایک معلم ہونے کے ناطے بچوں کو ایمانداری اور نیک شہری بننے کا درس دیتا رہا ہے، اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر وہ دو حوالدار کس جرم میں گرفتار کر کے مجرموں کی طرح تھانے لے جا رہے تھے۔ اس نے دونوں حوالداروں سے یہ پوچھنے کی کوشش کی تھی کہ آخر اس کا جرم یا خطا کیا ہے مگر ایک نے یہ کہہ کر اس کو خاموش کر دیا تھا کہ تھانے پہنچ کر خود معلوم ہو جائے گا۔ اور دوسرے نے تو ڈانٹ کر غصے سے کہہ دیا تھا ''عمر کا لحاظ کر رہا ہوں ...اور قانون سے بندھا ہوا ہوں...ورنہ ایک زوردار تھپڑ رسید کر کے سمجھاتا کہ تم نے کیسا گھناؤنا جرم کیا ہے...!''

تھانے پہنچ کر دونوں حوالداروں نے اُسے تھانے دار کے بغل میں بنے عارضی حوالات میں رکھے بینچ پر بیٹھ کر تھانیدار کا انتظار کرنے کو کہا اور خود کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر چلے گئے۔ وہ ادھیڑ عورت بھی باہر ہی انتظار میں بیٹھی تھی جس کی شکایت پر اس کو گرفتار کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی کچھ اور لوگ بھی ادھیڑ عمر کی عورت کے ساتھ بطور چشم دید گواہ بھی باہر ہی انتظار کر رہے تھے۔

آج پہلی بار راجناتھ کو احساس ہوا کہ اس نے اپنے بیٹے کنال کی بات نہ مان کر شاید زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی۔ وہ اپنی تقدیر کو کوستے ہوئے سوچنے لگا کہ اگر وہ کنال کے ساتھ ہی امریکہ چلا گیا ہوتا تو شاید اُسے اس طرح ذلیل ہوکر یہ دن دیکھنا نہیں پڑتا۔ کنال اس کا اکلوتا بیٹا ہے جو امریکہ کے بوسٹن شہر میں ایک بہت بڑی ملٹی نیشنل کمپنی میں بطور سی ای او کام کرتے ہوئے پچھلے کئی سال سے وہیں اپنے پریوار کے ساتھ اپنی خوشحال زندگی بسر کر رہا ہے اور کبھی کچھ دنوں کے لیے ہندوستان آپاتا ہے۔ جب بھی آتا ہے اکیلے ہی آپاتا ہے۔ راجناتھ اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا تھا کہ پورے پریوار کا امریکہ سے آنے جانے کا خرچہ کچھ کم نہیں ہے۔ اس لیے اس نے کبھی کنال سے یہ سوال تک نہیں پوچھا کہ وہ بہو اور اس کے پوتے ببلو کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لاتا ہے۔

پچھلے سال کے آخر میں جب کنال کی والدہ، پربھاوتی کا انتقال ہوا تھا، اس وقت کنال اپنی ماں کی آخری رسومات پورے کرنے کے لیے کچھ دنوں کے لیے ہندوستان آیا تھا مگر اس وقت بھی اکیلے ہی آپایا تھا کیونکہ ببلو کا اسکول میں پہلی بار داخلہ کرانے کی لیے اس کا اور اس کے ساتھ کم سے کم راشی کا بوسٹن میں رہنا بے حد ضروری تھا۔ اپنی ماں کے سبھی آخری رسومات پورے کرنے کے بعد کنال نے بوسٹن واپس لوٹنے سے پہلے اپنے والد کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے کافی منتیں کیں تھیں کہ وہ اس کے ساتھ چلے اور وہیں ان کے ساتھ ہی آرام سے رہے۔ مگر راجناتھ اپنے گھر اور اپنے ہندوستانی ماحول کو چھوڑ کر کسی انجانے ماحول کو اپنانے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھا۔ مایوس ہوئے ایک فرمابردار بیٹے کی طرح کنال نے واپس جانے سے پہلے اپنے والد کی دیکھ بال کے لیے سارے انتظامات کر کے رکھے۔ کھانا پکانے کے لیے، صاف صفائی کے لیے، باہر سے گھر کا سامان لانے کے لیے... ہر کام کے لئے الگ الگ نوکر و نوکرانیوں کا پورا انتظام کر کے رکھا تھا تا کہ اس کے والد کو کسی قسم کی تکلیف سہنی نہ پڑے۔ حالانکہ راجناتھ کو پنشن کی شکل میں ہر مہینے اچھی خاصی رقم ملتی ہے پھر بھی کنال اس کی ضروریات سے کہیں زیادہ ڈالر ہندوستانی روپیوں میں ٹرانسفر کراتا رہتا ہے۔ تاکہ اس کے والد کو پیسوں کی کبھی کوئی کمی محسوس نہ ہو۔ وہ روز نہیں تو ہفتے میں کم سے کم دو تین بار ٹیلیفون پر بات چیت بھی کرتا رہتا ہے تا کہ اس کے والد کو کبھی اکیلے پن کا احساس نہ ستا پائے۔

کنال کے واپس لوٹنے کے بعد راجناتھ کچھ دن تک اکیلا پن محسوس تو کرنے لگا مگر گزرتے وقت کے ساتھ آہستہ آہستہ اس کی زندگی معمول پر آہی گئی۔ وہ پہلے کی طرح ہی روز صبح چائے کا ایک کپ پی کر 'جوگرس پارک' ٹہلنے نکلتا۔ گھنٹہ بھر ٹہل کر گھر لوٹنے پر گھر کی کشادہ بالکونی میں ناشتہ کرتے ہوئے اخبار میں چھپی ہر خبر کو پڑھنے میں مصروف ہوجاتا یا کسی پسندیدہ کتاب کا مطالعہ کرنے لگتا۔ اس کے بعد گھر کی لابی میں اپنا وقت ٹی وی پر اپنی من پسند چینلوں پر نیوز نہیں تو کوئی اپنی پسند کی پرانی ہندی یا انگریزی فلم دیکھنے میں وقت گزار لیتا۔ بھلے وہ فلم اس نے پہلے بھی کئی بار ہی کیوں نہ دیکھی ہو۔ لنچ کے بعد ایک دو گھنٹے بیڈ روم میں جا کر لیٹ کر آرام سے سوجاتا اور شام اپنے گنے چنے دوستوں کے ساتھ وقت گزار کر واپس اپنے گھر لوٹ آتا۔ کھانا کھانے سے پہلے ایک دو پیگ اسکاچ ضرور لیتا تھا تا کہ نیند اچھی طرح سے آپائے۔

جب تک پربھا زندہ تھی تب تک روزانہ اس کے ساتھ ہی وہ 'جوگرس پارک' ٹہلنے جایا کرتا تھا۔ تب پربھا کے ساتھ ٹہلتے ہوئے سارا وقت سنجیدہ قسم کی یا مزاح سے بھرپور باتیں کرتے ہی گزر جاتا تھا۔ ٹہلتے ہوئے تب اس کا دھیان کبھی بھی 'جوگرس پارک' میں ٹہلتے ہوئے اپنے ہم عمر کئی بزرگ مردوں وعورتوں کی اور نہیں جاتا تھا جو اپنے پوتے پوتیوں یا اپنے نواسے نواسیوں کو انگلیاں پکڑتے ہوئے روز گھماتے تھے۔ مگر اب بات الگ تھی۔ اب اسے پارک میں اکیلے ہی ٹہلنا پڑتا تھا۔ اس لیے وہ ٹہلتے ہوئے پارک میں ادھر ادھر بھی دیکھنے لگا تھا۔ پارک میں کہاں کہاں خوبصورت پھولوں کی کیاریاں ہیں، کہاں کون سا پیڑ ہے... کہاں جھولے ہیں اور کہاں بیٹھنے کے لیے سیمنٹ کے بنے بینچ اور ان کے پاس سیمنٹ سے ہی بنی مختلف جانوروں کی بنی مورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ ان سب کے ہونے کا احساس راجناتھ کو اب ہونے لگا تھا۔ پہلے ٹہلتے ہوئے راجناتھ کا دھیان کبھی بھی ان کی طرف نہیں جاتا تھا۔

اب راجناتھ جب بھی کبھی کسی ہم عمر عورت یا مرد کو کسی بچّے کے ساتھ انگلی پکڑ کر یا اپنے کندھوں پر بٹھا کر 'جوگرس پارک' میں گھومتے دیکھتا ہے تو اس کو ببلو کی بہت یاد آنے لگتی ہے۔ ببلو اب چار ساڑھے چار سال کا ہو چکا ہے مگر اس نے اس کو یا تو اُن تصویروں میں ہی دیکھا ہے جو کبھی کبھی کنال اس کو وہاٹس اپ پر بھیجتا ہے یا کبھی وہاٹس اپ پر کال کرتے ہوئے، کنال کی اصرار پر دور سے ہی صرف ''گڈ مانگ دادو'' کہہ کر اپنے کھلونوں سے کھیلنے میں مصروف ہوجاتا ہے۔ مشکل سے ہی کبھی کسی دن فون کے نزدیک آکر ''لو یو دادو'' کہہ کر کھلکھلا کر ہنس پڑتا ہے اور پھر دوسرے ہی لمحے بھاگ جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر راجناتھ کی دل میں ایک کسک سی رہ جاتی ہے کہ کاش ببلو اس کے پاس ہوتا۔ وہ اس کو اپنی گود میں بٹھا کر خوب باتیں کرتا اور سہی معنوں میں ایک دادا ہونے کی اس لذت کو محسوس کر پاتا جس سے وہ محروم رہا ہے۔

> آج کل راجناتھ کو ہر چار پانچ سال کے بچے کی شکل وصورت ببلو سے مشابہت رکھتی نظر آتی تھی۔ جہاں بھی اس عمر کا کوئی بچہ نظر آتا ہے، راجناتھ بس اسی کی طرف حسرت بھری نظروں سے تب تک دیکھتا رہتا تھا جب تک وہ آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوجاتا۔

آج کل اس کو ہر چار پانچ سال کے بچّے کی شکل و صورت ببلو سے مشابہت رکھتی نظر آتی تھی۔ جہاں بھی اس عمر کا کوئی بچہ نظر آتا ہے راجناتھ بس اسی کی اور حسرت بھری نظروں سے تب تک دیکھتا رہتا تھا جب تک وہ آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا۔ آج صبح 'جوگرس پارک' میں اپنی سیر ختم کر کے جب راجناتھ معمول کی طرح اپنی اسی مخصوص سیمنٹ کے بینچ پر بیٹھنے لگا تھا، جس پر وہ روز گھر لوٹنے سے پہلے کچھ دیر ستانے کے لیے بیٹھا کرتا ہے، اس نے ایک ادھیڑ عمر کی عورت کے آگے آگے ایک چار ساڑھے چار سال کے بچّے کو اچھلتے کودتے ہوئے دیکھا۔ ادھیڑ عورت کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا نہیں تھا۔ شاید وہ پہلی بار پارک میں آئی تھی یا راجناتھ کی نظر اس پر پہلی بار پڑی تھی۔ اس کے آگے چلتے بچّے کو دیکھتے ہی راجناتھ کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ بچہ کوئی اور نہیں بلکہ اس کا اپنا ببلو ہی تھا۔ جوں ہی وہ بچّہ اس کے نزدیک آیا، راجناتھ نے لپک کر اس کو پکڑ لیا اور اپنی گود میں بٹھا کر دیوانوں کی طرح والہانہ انداز میں چومنا شروع کیا۔ بچہ تو حیران ہوکر راجناتھ کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔ اپنے آپ کو کسی اجنبی کی گود میں پاکر بچہ گھبرا کر روتے ہوئے چلاّنے لگا۔ ''نانی...نانی...!''

''ارے...ارے...کوئی روکو اسے...میرے نواسے کو اغوا ہونے سے بچاؤ...!'' ادھیڑ عمر کی عورت زور زور سے چھاتی پیٹتے ہوئے مدد کی گہار لگانے لگی۔ راجناتھ کو ایک انجان بچّے کو اپنی گود میں بٹھانے کی اپنی غلطی کا احساس تب ہوا، جب اس کے گرد چاروں اطراف سے لوگوں نے گھیر لیا۔ ہر کوئی اپنے موبائل پر نمبر گھما رہا تھا۔ راجناتھ کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی بچّہ بھاگ کر اپنی نانی کے پاس دوڑ گیا۔ ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ دو حوالدار نہ جانے کہاں سے نمودار ہوئے اور انہوں نے راجناتھ کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں باندھ کر گرفتار کر کے تھانے لے آئے۔

راجناتھ کی آنکھوں سے آنسو اس وقت نکل پڑے جب اس کو یہ معلوم پڑا کہ اس کو بچوں کی اغوا کاری کے جرم میں کسی ایسے ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا ہے جس میں ضمانت بھی نہیں ملتی ہے اور کل صبح اس کو عدالت میں بھی پیش کیا جائے گا۔ حال ہی میں شہر میں بچوں کے اغوا ہونے کی کئی وارداتیں ہوئی ہیں۔ پولیس رپورٹ کے مطابق راجناتھ ہی شہر میں سرگرم بچوں کو اغوا کرنے والے اُس گروہ کا یا تو خود ہی سرغنہ ہے یا اسی گروہ کا کوئی اہم رکن ہے۔ پولیس کو پوری امید ہے کہ راجناتھ کی گرفتاری سے اس گروہ کے متعلق تمام جانکاری حاصل کی جاسکتی ہے۔ ■

کے، 003، آدتیہ میگھا سٹی، وبھو کھنڈ
اندرا پُرم، غازی آباد- 201014 (اتر پردیش)
Mobile: 9871957621